فقہ واجتہاد

آخری قسط

عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے!

تحریر: مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ..... مدیر شعبہ تحقیق وتالیف دارالسلام۔ لاہور

گذشتہ شمارہ میں میرا سابقہ مضمون پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ اشکال آسکتا ہے کہ علمائے احناف تو خلع کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اس کا اثبات بھی، پھر ان کی بابت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ خلع کا انکار کرتے ہیں؟ یہ بات ایک حد تک صحیح ہے کہ وہ ظاہری طور پر خلع کا اقرار کرتے ہیں لیکن وہ اس کو اس طرح ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں جس طرح شریعت نے یہ حق عورت کو دیا ہے۔ اس لئے اُن کا ماننا اقرار کے پردے میں انکار کے مترادف ہے۔ اس کی تشریح حسبِ ذیل ہے:

خلع عورت کا وہ حق ہے جو اسے مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں دیا گیا ہے۔ مرد تو اپنا حق طلاق ایسے موقعوں پر استعمال کر لیتا ہے جب وہ اپنی بیوی سے ناخوش ہو۔ لیکن اگر عورت کو ایسی ضرورت پیش آجائے کہ وہ خاوند سے گلوخلاصی کرانا چاہے، مثلاً شوہر نامرد ہو، وہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ نان نفقہ دینے پر قادر نہ ہو یا قادر تو ہو لیکن دیتا نہ ہو، یا کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جس کا علم عورت کو شادی کے بعد ہو، یا وہ سخت ظالم وجابر قسم کا ہو جو عورت پر بے جا ظلم وتشدد کرتا ہو، یا شکل وصورت کے اعتبار سے عورت کیلئے ناقابل برداشت اور اس کا اس کے ساتھ نباہ مشکل ہو، اس قسم کی تمام صورتوں میں شریعت نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ شوہر کا دیا ہوا حق مہر اُس کو واپس کر کے اس سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اگر شوہر عورت کی خواہش اور مطالبے پر اس کو طلاق دے دے تو ٹھیک ہے، مسئلہ نہایت آسانی سے گھر کے اندر ہی حل ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر مرد مذکورہ معقول وجوہات کے باوجود عورت کی خواہش اور مطالبے کو تسلیم نہ کرے، تو پھر عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے اس مسئلے کو حل کیا جائے گا، اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ عورت کا مطالبہ علیحدگی بالکل جائز ہے تو وہ مرد کو طلاق دینے کا حکم دے گی، اگر وہ پھر بھی طلاق نہ دے تو عدالت یا پنچایت فسخ نکاح کا حکم جاری کرے گی جو مرد کی طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا اور عورت عدتِ خلع (ایک حیض) گزارنے کے بعد کسی دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہوگی۔ یہ ہے خلع کا وہ طریقہ جو قرآن کریم کی آیت: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا

حُدُوْدَ اللّٰہِ﴾ اور حدیث میں مذکورہ واقعہ حضرت ثابت بن قیسؓ سے ثابت ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُم﴾ (پس اگر تم ڈرو.....) میں خطاب خاندان کے اولیا (ذمے داران) معاشرے کے معزز افراد یا حکومت کے افسرانِ مجاز (عدالتی حکام) سے ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والا نزاع، اُن کی آپس کی بات چیت سے ختم نہ ہو سکے تو تم مداخلت کر کے اس کو حل کرو اور عورت سے فدیہ (حق مہر) لے کر مرد کو دو، اور اس سے طلاق دلواؤ، اگر وہ طلاق نہ دے تو تم فسخ نکاح کا آرڈر جاری کر کے اُن کے درمیان علیحدگی کروا دو۔ حدیث سے بھی اس بات کا اثبات ہوتا ہے، حضرت ثابت بن قیسؓ خوش شکل نہ تھے جبکہ اُن کی بیوی خوبرو تھی، اُنہوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں آ کر نہایت مناسب الفاظ میں اس بات کو بیان کیا اور کہا کہ میں ثابت بن قیسؓ کے دین و اخلاق کے بارے میں تو اُن کو معتوب نہیں کرتی لیکن ان کے ساتھ رہنے میں مجھے ناشکری کا اندیشہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر صورتِ حال کا اندازہ کر لیا اور اس سے پوچھا: کیا تو ثابت بن قیسؓ کو وہ باغ واپس کرنے پر آمادہ ہے جو اس نے تجھے (حق مہر میں) دیا تھا؟ اس نے کہا! ہاں۔ آپؐ نے ثابت بن قیسؓ کو حکم دیا: اس سے اپنا باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو، چنانچہ اُنہوں نے طلاق دے دی۔ (یہ واقعہ احادیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ثابت بن قیسؓ کو طلاق کا حکم دینا ایک حاکم کے طور پر تھا اور ظاہر بات ہے کہ خاندانی معاملات و نزاعات میں عدالت یا پنچائیت کی مداخلت ناگزیر ہے، اگر عدالت کو یہ حق نہیں دیا جائے گا یا اُس کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جائے گا تو پھر ان نزاعات کا حل آخر کس طرح نکالا جائے گا؟

ہم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ علمائے احناف عورت کے حقِ خلع کو تسلیم نہیں کرتے تو اس کے بارے میں ان کا یہ غیر منطقی مؤقف ہی اس کی بنیاد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خاوند اگر عورت کے مطالبہ طلاق کو تسلیم نہیں کرتا تو عدالت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یکطرفہ طور پر طلاق کی ڈگری جاری کر دے، جیسا کہ سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے بعد ہماری عدالتیں اس طرح کے فیصلے کر رہی ہیں۔ علمائے احناف کہتے ہیں کہ عدالتوں کے یہ فیصلے غلط ہیں اور اس طرح عورت کو طلاق نہیں ہوتی۔

حالانکہ عدالت کا یہ حق قرآنِ کریم کی آیت اور حضرت ثابت بن قیسؓ کے واقعے سے واضح ہے جس کی مختصر تفصیل ابھی گزری اور اس کے بغیر گھریلو نزاعات کا کوئی دوسرا حل ہے ہی نہیں۔ اگر آپ اس منطقی اور فطری طریق کو نہیں مانتے تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آپ شریعت کے عطا کردہ عورت کے حق خلع کو تسلیم ہی نہیں

کرتے۔ آپ تصور کیجئے! ایک عورت خاوند کے رویے سے سخت نالاں ہے اور وہ اس سے ہر صورت خلاصی چاہتی ہے، وہ طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، خاوند نے اُس کو جو کچھ (حق مہر وغیرہ) دیا ہے، وہ اُس کو واپس کرنے کی پیشکش کرتی ہے۔ لیکن وہ کسی صورت طلاق دینے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا۔ اب بتلایئے کہ اگر طلاق خاوند کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتی جیسا کہ علمائے احناف کہتے ہیں، تو عورت کو اس کا حق خلع کون دلائے گا؟ آپ کہتے ہیں، عدالت مداخلت نہیں کرسکتی، اور خاوند کی رضامندی کے بغیر علیحدگی ممکن ہی نہیں ہے، تو اس صورت کا حل کیا ہے؟ اور کیا یہ حق خلع کو تسلیم کرنا ہے.....؟

یہ تو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ حق خلع کا صاف انکار ہے۔ خاوند کی ہٹ دھرمی ہی کا تو علاج عورت کے حق خلع کی صورت میں بتلایا گیا ہے جو صرف عدالت ہی عورت کو دلوا سکتی ہے۔ عدالت کو اگر یہ حق نہیں ہے اور خاوند کسی صورت طلاق دینے کیلئے تیار نہیں ہے تو عورت کو اُس کا یہ حق کس طرح ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے؟

حقِ خلع کے بارے میں علمائے احناف کی تصریحات

اگر کوئی کہے کہ علمائے احناف کا یہ مؤقف نہیں ہوسکتا جو اُن کی طرف منسوب کیا جارہا ہے تو لیجئے انہی کے الفاظ میں ان کا مؤقف پڑھ لیجئے۔

مولانا تقی عثمانی پہلے عنوان قائم کرتے ہیں: ''کیا خلع عورت کا حق ہے؟''

مولانا موصوف نے اس بحث کا یہ عنوان مقرر کیا ہے۔ اس سوالیہ عنوان ہی سے اس امر کی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ اُن کے نزدیک عورت کو حق خلع حاصل ہی نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں خلع کے بارے میں ایک مسئلہ عصر حاضر کے متجددین نے پیدا کردیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام علمائے اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خلع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں تراضی طرفین ضروری ہے اور کوئی فریق دوسرے کو مجبور نہیں کرسکتا۔ لیکن ان متجددین نے یہ دعویٰ کیا کہ خلع عورت کا ایک حق ہے جسے وہ شوہر کی مرضی کے بغیر بھی عدالت سے وصول کرسکتی ہے، یہاں تک کہ پاکستان میں کچھ عرصہ پہلے عدالتِ عالیہ یعنی سپریم کورٹ نے اس کے مطابق فیصلہ دے دیا اور اب تمام عدالتوں میں اسی فیصلے پر بطورِ قانون عمل ہورہا ہے حالانکہ یہ فیصلہ قرآن وسنت کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلے کے خلاف ہے۔''

تبصرہ: اپنی رائے کو، جو تقلیدی جمود پر مبنی ہے، قرآن وسنت کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلے کے مطابق قرار دینا

یکسر غلط اور خلافِ واقعہ ہے حالانکہ قرآن وسنت کے مطابق خلع کی اصل صورت وہ ہے جس کی مختصر تفصیل ہم نے پیش کی ہے۔ خلع کی اس صورت کو متجددین کی رائے بتلانا اور قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ کی بے جا تاویل کر کے ان سے اپنے تقلیدی مؤقف کا اثبات ایک تحکمانہ انداز اور قرآن وحدیث میں بیان کردہ حق خلع کا صریح انکار ہے۔ اَعاذنا اللّٰہ منہ. مضمون طویل ہوگیا ہے ورنہ ہم ان کی ان تاویلاتِ باطلہ کی حقیقت بھی واضح کرتے جو اُنہوں نے درس ترمذی میں بیان کر کے تقلیدی جمود کا ثبوت دیا ہے۔ ضرورت پڑی تو ان شاء اللہ ان پر بھی گفتگو ہوگی۔ بعون اللّٰہ و توفیقہ

ایک اور حنفی مفسر کا حق خلع کا انکار

تفسیر رُوح البیان، کے حنفی مفسر ''آیتِ خلع'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''خلع میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے، اس میں عدالت یا تیسرا کوئی شخص مشورہ تو دے سکتا ہے، جبر نہیں کرسکتا، نہ عدالت کے پاس ازخود یہ اختیار ہے کہ وہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت کے حق میں یکطرفہ (ون سائیڈ) خلع کا فیصلہ کردے۔ اگر عدالت ایسا کوئی فیصلہ کرتی ہے تو وہ قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک نا قابل عمل ہوگا اور اللہ کے نزدیک نا قابل قبول رہے گا۔

جس طرح نکاح کی قبولیت کا صرف شوہر کو یا اس کے بارے میں مقرر کردہ وکیل ہی کو حق حاصل ہے اسی طرح خلع کی پیشکش کو قبول کر کے طلاق دینے کا حق بھی شوہر ہی کو حاصل ہے۔ لہٰذا جس طرح بیوی رقم کے بدلے طلاق حاصل کرنے پر راضی ہے اسی طرح شوہر کا بھی رقم قبول کر کے طلاق دینے پر راضی ہونا ضروری ہے۔ جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے۔''

تبصرہ: ان صاحب نے بھی حنفی طریق خلع کو قرآن وحدیث کا بیان کردہ خلع قرار دینے کی جسارت کی ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ حنفی طریق خلع دراصل حق خلع کا انکار ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر خاوند عورت کے مطالبہ طلاق کو تسلیم نہ کرے تو عورت خلع حاصل کر ہی نہیں سکتی۔ خاوند کی ہٹ دھرمی کا حل قرآن وحدیث میں عدالت کو قرار دیا گیا ہے لیکن حنفی فقہ کہتی ہے کہ عدالت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں۔ عدالت اگر مداخلت کر کے عورت کو یہ حق دلائے گی تو عورت کو طلاق نہیں ہو گی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت خاوند کی ہٹ دھرمی کی صورت میں عدالت سے خلع حاصل

کرنے کے بعد عدت گزار کر کسی اور جگہ نکاح کرے گی تو احناف کے نزدیک یہ نکاح عنداللہ نا قابل قبول ہوگا، جب ایسا ہے تو پھر وہ نئے میاں بیوی تو ساری عمر زنا کاری ہی کے مرتکب رہیں گے۔ ان کی یہ دیدہ دلیری اور قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے انحراف انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر روح البیان کے مؤلف لکھتے ہیں: ''مسئلہ: عدالت کی طرف سے شوہر کی رضامندی کے بغیر جو یک طرفہ خلع کی ڈگری جاری کر دی جاتی ہے وہ شرعاً معتبر نہیں۔ اس صورت میں اس عورت کا کسی اور مرد سے نکاح کرنا حرام اور بدکاری ہوگا۔''

بتلایئے .....! یہ حق خلع کا اثبات ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے عورت کو دیا ہے یا اس کا صاف انکار ہے؟ خاوند کی رضامندی کے بغیر اگر عورت اپنا یہ حق وصول نہیں کر سکتی، تو پھر خاوند کی ہٹ دھرمی کی صورت میں آخر وہ اپنا یہ حق کیسے وصول کرے گی؟ علمائے احناف آخر اس کی بھی تو وضاحت فرمائیں۔ پھر اس حنفی طریق خلع پر اجماع کا دعویٰ اور چند سطروں کے بعد ہی اسے جمہور فقہا کا فیصلہ قرار دینا؟ عجیب تضادِ فکر ہے۔ اول تو اس کو جمہور فقہا کا متفقہ فیصلہ بتلانا ہی غلط ہے۔ اگر جمہور کی رائے تسلیم کر بھی لی جائے، تو اجماع تو پھر بھی نہ ہوا کیونکہ اکثریت کی رائے کو اجماع تو نہیں کہا جاتا۔

دراصل اپنی بات کو مؤکد کرنے کیلئے یوں ہی اس کو ''جمہور کی رائے'' کہہ دیا جاتا ہے یا اس پر ''اجماع'' کا دعویٰ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لئے امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے: (من ادعی الاجماع فھو کاذب) ''جو کسی مسئلے کی بابت اجماع کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے۔'' زیر بحث مسئلہ بھی اس کی ایک واضح مثال ہے۔ حنفی طریق خلع نہ جمہور کا متفقہ فیصلہ ہے اور نہ اس پر اجماع ہے۔ بھلا جو مسئلہ (حنفی طریق خلع) قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے، اسے جمہور کس طرح اختیار کر سکتے ہیں؟..... یا اس پر اجماع کس طرح ہو سکتا ہے؟

صاحب ''روح البیان'' مزید فرماتے ہیں: ''اسلام کی یہ کیسی معتدل تعلیم ہے کہ حتی الوسع نہ کسی کی حق تلفی ہو نہ دل شکنی ہو۔ جیسے باہمی رضامندی سے عقدِ نکاح کیا گیا تھا، ایسے ہی باہمی رضامندی سے اسے ختم کر دیا جائے۔ یعنی اگر میاں بیوی کو خطرہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق پورے نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں خلع کی اجازت ہے۔''

سبحان اللہ! کیا خوب فلسفہ تراشا ہے۔ اسلام کی تعلیم میں تو بلاشبہ نہایت اعتدال اور توازن ہے کہ اس نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے جس کے ذریعے سے وہ ناپسندیدہ بیوی سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور اگر ایسے ہی

حالات عورت کو پیش آ جائیں اور وہ ناپسندیدہ شوہر سے نجات حاصل کرنا چاہے تو وہ حق خلع کے ذریعہ سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ یہ تو یقیناً اعتدال اور توازن کی بات ہے جس میں اسلام دیگر ادیان و مذاہب میں ممتاز ہے۔

لیکن جب آپ مرد کو تو مطلقاً یہ حق دے رہے ہیں کہ وہ جب چاہے عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ کیا طلاق دیتے وقت مرد عورت کی رضامندی حاصل کرنے کا پابند ہے؟ اور اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر یہ کہنا: ''جیسے باہمی رضامندی سے عقدِ نکاح کیا گیا تھا ایسے ہی باہمی رضامندی سے اسے ختم کر دیا جائے۔'' کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر اس عبارت کا تعلق صرف عورت کے حق خلع سے ہے کہ اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے تو پھر اعتدال تو نہ رہا۔ عورت کے حق طلاق کو تو مقید کر دیا خاوند کی رضامندی کے ساتھ، وہ رضامند نہ ہو تو عورت کیلئے گلوخلاصی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کو کون اعتدال تسلیم کرے گا جس کو آپ اعتدال باور کرا رہے ہیں۔

اعتدال تو اسلام کے بتلائے ہوئے طریق خلع ہی میں ہے کہ دونوں ہی (مرد اور عورت) کیلئے یہ راستہ کھلا ہوا ہے کہ مرد علیحدگی چاہتا ہے تو اس کے پاس خلع کا حق ہے، خاوند اگر اس کا یہ حق تسلیم نہ کرے تو عدالت عورت کو اس کا یہ حق دلوائے گی۔

لیکن اگر آپ مرد کے حق طلاق کیلئے تو رضامندی ضروری قرار نہیں دیتے لیکن عورت کے خلع کیلئے اس کو ضروری قرار دیتے ہیں تو آپ نے اپنے فقہی جمود کا ثبوت تو یقیناً دے دیا، لیکن اللہ کیلئے اس کو اسلام کی تعلیم تو قرار نہ دیں۔ اسلام تو اس عدم اعتدال اور ایک فریق پر ظلم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس ظلم کو اپنی فقہ کی طرف منسوب کریں، اسلام کی طرف تو منسوب نہ کریں۔

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کی پراسرار خاموشی

یہ بات بھی نہایت دلچسپ ہے کہ مولانا تقی عثمانی کے والدِ گرامی قدر جناب مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے قرآن مجید کی اردو میں نہایت مفصل تفسیر تحریر فرمائی ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے، تفسیر ''معارف القرآن'' اس کا نام ہے۔ اس میں ہر اہم مسئلے پر مفتی صاحب موصوف نے خاصی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ آیتِ خلع میں خلع کے بارے میں سرے سے اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ کوئی بحث نہیں کی بلکہ نہایت پراسرار طریقے سے بالکل خاموشی سے گزر گئے ہیں۔ یہ خاموشی کس بات کی غماز ہے۔

؎ کچھ تو ہے غالب جس کی پردہ داری ہے!

اور جب تقلید کے بندھن ڈھیلے ہو جائیں

تقلیدی جمود کی نیرنگیاں آپ نے ملاحظہ فرمائیں، اب تصویر کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمائیں اور وہ یہ کہ جب تقلیدی جمود کی عینک اُتر جاتی ہے تو پھر قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات اصل صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔ جب یہ بندھن ڈھیلے ہوتے ہیں اور تقلیدی عینک اُتر جاتی ہے تو پھر اعترافِ حقیقت کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

خلع اور تفویض طلاق کا مضمون مکمل کر لینے کے بعد حسن اتفاق سے اس کی دو مثالیں سامنے آئیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ قارئین کرام کو بھی اُن سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ ہماری مذکورہ گزارشات بھی حق الیقین سے بڑھ کر عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیں۔

اُن میں ایک مثال ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج، استاذ الفقہ والتفسیر جامعہ کراچی کی ہے جو غالباً حنفی بریلوی ہیں اور دوسری مثال مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فاضل دیوبند، صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام (حیدرآباد دکن) کی ہے جو حنفی دیوبندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو مسئلہ زیر بحث میں تقلیدی جمود سے نکل کر براہ راست قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض کر دینا حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور عورت کے حق خلع کا انکار قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات سے انحراف ہے۔

لیجئے! دونوں اَفاضل کے مضامین کی تلخیص ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے ڈاکٹر شکیل اوج صاحب کے مضمون کا ضروری حصہ، جو معارف، اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان بھی صاحب مضمون کا ہی تجویز کردہ ہے۔ اس کی تلخیص اس لئے کی گئی ہے کہ اس میں وہ دلائل بھی تھے جو ہمارے مضمون میں بیان ہو چکے ہیں، اس لیے تکرار سے بچنے کیلئے ان کو حذف کرنا ضروری تھا، اسی طرح بعض مفسرین کے اقتباسات بھی حذف کر دیئے گئے ہیں۔ تاہم ان کے اصل دلائل اور اُن کا مؤقف اگلے صفحات میں ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

تفویض طلاق.....ایک اہم عائلی مسئلہ: از ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

میاں بیوی کے مابین قائم ہونے والے رشتہ کو نکاح کہا جاتا ہے اور اس رشتے کے ٹوٹ جانے کو طلاق، نکاح میں دوطرفہ رضامندی ضروری ہوتی ہے مگر طلاق میں دوطرفہ رضامندی ضروری نہیں ہوتی، گو بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلاق بھی دوطرفہ رضامندی سے ہی وجود پذیر ہوتی ہے، فقہی اصطلاح میں ایسی

طلاق کو ''طلاقِ مبارات'' کہتے ہیں۔

شوہر کی طرف سے دی جانے طلاق (جو کہ یک طرفہ ہوتی ہے) کو فقط طلاق کہہ دیتے ہیں، بیوی اگر اپنے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور اس کے مطالبہ پر شوہر اگر اسے چھوڑ دے تو ایسی طلاق کو ''خلع'' کہتے ہیں۔ اگر خلع کا مطالبہ، عدالت میں دائر کیا جائے جس کے نتیجے میں علیحدگی واقع ہو تو ایسی علیحدگی کو ''فسخ نکاح'' کہتے ہیں، مذکورہ صورتوں میں کوئی صورت بھی ایسی نہیں کہ جس میں عورت حق طلاق میں خود مختار نظر آتی ہو۔ عورت کا عدالت میں جا کر طلاق کا مطالبہ کرنا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت نے اسے طلاق دینے یا اسے اپنے اوپر وارد کرنے کے حق سے محروم رکھا ہے۔ طلاق اسے یا تو اس کا شوہر دے یا پھر ایسے جنسی کے حالات میں حاکم عدالت اپنے شرعی اختیار سے تفریق کرا دے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عدالت وہ واحد مقام ہے کہ جہاں عورت کو ''حق طلاق'' استعمال کرنے کی اجازت دی جاسکتی تھی اور اس مقام پر اس کے برسرِ عدالت اقدامِ خلع کو طلاق کا بدل قرار دیا جاسکتا تھا مگر شریعت نے انصاف کی جگہ پر (اسلامی عدالت میں) بھی طلاق کا حق بہر حال عورت کو نہیں دیا کیونکہ ﴿وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ''اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت ہے۔''

میں مرد کو ایک گونہ فضیلت برائے ضرورت اسی حق طلاق میں کر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشی گئی یہ ''فضیلت'' مردوں کو نہیں، شوہروں کو حاصل ہے اور شوہر چونکہ ایک رشتے کا نام ہے اور رشتے کی فضیلت یہی ہے کہ وہ اس حق کو استعمال کرنے کا مجاز بنایا جائے۔ ہمارے خیال میں اگر کوئی شوہر اپنا یہ حق، اپنی زوجہ کو تفویض کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں تبدیلی کا جرم کرتا ہے شریعت نے اسے یہ حق ہرگز نہیں دیا کہ وہ اپنا یہ حق زوجہ کو تفویض کر دے اور زوجہ جب چاہے یہ حق استعمال کر کے اپنے خاوند سے الگ ہو جائے اگر یہ عمل شریعت کی رُو سے درست ہوتا تو شریعت طلاق کے عمل کو ہی دو طرفہ کر دیتی، پھر ایسا کرنے کی صورت میں خلع اور فسخ نکاح کی بھی حاجت نہ رہتی اور طلاق بہت آسان ہو جاتی۔

لیکن افسوس کہ ہماری کتبِ فقہ میں تفویض طلاق کے عنوان سے یہ حق بیویوں کے حق میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تفویض کے بعد طلاق کا حق صرف شوہر کے ہاتھ میں نہیں بلکہ بیوی کے ہاتھ میں بھی رہتا ہے۔ اُن دونوں میں سے جو چاہے وہ اسے بغیر کسی رکاوٹ کے استعمال کر سکتا ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی طلاق کا ذکر آیا ہے اس کی نسبت ہمیشہ مرد کی طرف کی گئی ہے جس سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہے مگر ہمارے بعض دانشوروں کو یہ امر الٰہی پسند نہ آیا یوں کہیے کہ ان کی سمجھ میں نہ آیا، اس لئے وہ اس امر کے مخالف ہو گئے اور اسے عورتوں پر ظلم سے تعبیر کرنے لگے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مرد کے حق طلاق پر معترض ہونے یا اس حق کو عورتوں میں منتقل کرنے کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں شاید کوئی غلطی ہوگئی ہے جسے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

نکاح کے ذریعے میاں بیوی ایک دوسرے کے زوج قرار پاتے ہیں، اس زوجیت کے رشتے میں مرد ناکح ہوتا ہے اور عورت منکوحہ، ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ عورت ناکح ہو اور مرد منکوحہ، اسی لئے تو ﴿بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ﴾ میں گرہ نکاح کا جس کے ہاتھ میں ہونا بیان ہوا ہے وہ مرد ہے نہ کہ عورت۔ اس لئے کہ ''بیدہ'' میں ''ہ'' ضمیر مذکر کی ہے، اگر ضمیر مؤنث کی ہوتی تو گرہِ نکاح کو عورت کے ہاتھ میں سمجھا جاتا۔ اس طرح عورت ناکح بھی ہوتی اور اس گرہ کو کھولنے کی مجاز بھی، مگر شریعت نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نہیں چاہتا کہ گرہِ نکاح عورت کے ہاتھ میں ہو، جبکہ تفویض طلاق میں گرہ نکاح عورت کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے اور وہ حق طلاق کو خود اپنے ہی خلاف استعمال کر کے اپنے شوہر سے الگ ہو جاتی ہے گویا خود ہی طالقہ ہوتی ہے اور خود ہی مطلقہ بھی، یعنی فاعلہ بھی خود اور مفعولہ بھی خود، یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص خود اپنے آپ سے نکاح کر لے، گویا خود ہی ناکح ہو اور خود ہی منکوحہ۔ ذرا سوچئے کہ تفویض طلاق کی صورت حال کس قدر مضحکہ خیز ہے، کوئی ہے جو اس پر غور کرے.....؟

''عقدہ نکاح'' کی نسبت مرد کے تعلق سے ایک آیت پیشتر بھی مذکور ہے، اپنے مؤقف کی تائید میں اسے بھی پیش کئے دیتا ہوں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَہٗ﴾ ''اور معاہد نکاح کو پختہ نہ کرو جب تک بیوہ عورتوں کی عدت مکمل نہ ہو لے۔'' تفویض طلاق کی بابت کچھ حقائق منتخب مفسرین کے حوالہ سے بھی ملاحظہ ہوں: مفتی احمد یار خان نعیمی رقم طراز ہیں:

''عورتوں کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے، پھر دن بھر میں پانچ پانچ طلاقیں ہوں گی، دیکھ لو آج امریکہ اور انگلینڈ میں طلاقوں کی کیسی بھرمار ہے کہ وہ لوگ چیخ پڑے ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں: ''طلاق کا حق صرف مرد ہی کو ہے، نہ کہ عورت کو۔''

اس عبارت میں ''صرف'' کا لفظ قابل توجہ ہے۔

اسلام کا قانون خلع

تفویض طلاق کو سمجھنے کیلئے خلع کے قانون کا سمجھنا بہت ضروری ہے، ہمارے نزدیک خلع کا قانون اپنی فطرت اور اصل میں تفویض طلاق کے قانون کا نقیض ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: ''خلع کا فلسفہ یہ ہے کہ خلع عورت کے اختیار میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے، چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شارع نے اسے طلاق دینے کا اختیار دیا ہے۔''

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۹ میں جس صورتِ طلاق کا ذکر ہے، اسے اصطلاحِ شریعت میں خلع کہتے ہیں طلاق اور خلع میں فرق یہ ہے کہ جب طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہوا ہو اور مرد اس مطالبہ کو پورا کردے تو اسے خلع کہتے ہیں اور جب مرد محض اپنی خواہش سے عورت کو اپنے سے جدا کرنا چاہے تو اسے طلاق کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت کی تفہیم میں جمیلہ بنتِ عبداللہ اور ثابت بن قیسؓ کا واقعہ ہماری رہنمائی کرتا ہے جو صحیح احادیث میں آیا ہے، اس واقعہ میں مذکورہ عورت کی خواہش پر مذکورہ مرد نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر طلاق دی، خلع کی تاریخ کا پہلا یہ واقعہ تھا۔ اس آیت میں ایک چیز قابل توجہ ہے آیت کے ابتدائی حصے میں: ﴿وَ لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاخُذُوْا﴾ آیا ہے، اس میں مخاطب کی ضمیر آتی ہے اور مراد شوہر ہیں جبکہ ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ میں بھی یہی ضمیر آئی ہے مگر اس سے شوہر مراد نہیں ہیں بلکہ حکام عدالت یا بحیثیتِ مجموعی مسلمان مراد ہیں۔ نحوی حضرات اپنی اصطلاح میں اسے ''انتشار ضمائر'' کہتے ہیں اور اسے جائز و روا رکھتے ہیں قرآن میں اس طرح کی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔

آیت کو بحیثیتِ مجموعی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں خلع کی دو قسمیں مذکور ہوئی ہیں قسم اول میں اس خلع کا بیان ہے، جو گھر کے اندر رہتے ہوئے خوش اسلوبی سے طے ہو جائے اور قسم ثانی میں اس خلع کا جس کیلئے عورت کو قاضی کی عدالت میں جانا پڑے، بہر دو صورت خلع مطالبہ طلاق کا نام ہے، خواہ وہ شوہر دے یا حاکم عدالت میں ان کے درمیان تفریق کرائے، اسی بات کو مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اپنی تفسیر احسن البیان میں یوں لکھا ہے کہ ''خلع بذریعہ طلاق بھی ہوسکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔'' ''.....عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے اور حاکم پہلے اُن کی مصالحت کی کوشش کرے گا، اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو

مہر میں جو کچھ دیا تھا، حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کر دے اور ان کے درمیان تفریق کرا دے یہ خلع ہے۔''

خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ طلاق یعنی زوجین کے مابین جدائی کی جو قسمیں قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہیں، ان میں ایک تو طلاق ہے، دوسری خلع اور تیسری فسخ نکاح ہے۔ یہ تینوں قسمیں اپنے حوالوں کے ساتھ اوپر مذکور ہو چکیں اور تینوں کی موجودگی میں تفویض طلاق کا قانون ہماری نظر میں شریعت الٰہی کی رُو سے کسی نقص اور کمی کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔.....اب دوسرا مضمون ملاحظہ فرمائیں، اس میں فاضل مضمون نگار نے حنفی ہونے کے باوجود حق خلع کے انکار کیلئے احناف جو دلائل پیش کرتے ہیں، اُن کا جواب بھی دیا ہے اور اُنہیں نصوصِ قرآن وحدیث کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس کا عنوان بھی فاضل مضمون نگار ہی کا تجویز کردہ ہے۔ یہ مضمون اُن کی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' سے ماخوذ ہے۔

خُلع میں قاضی اور حَکَم کے اختیارات

خلع کے سلسلے میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس میں قاضی اور عدالت کے اختیارات کیا ہوں گے؟ کیا یہ مکمل طور پر مرد ہی کے اختیار میں ہے اور اس کی آمادگی اور رضامندی ہی پر طلاق موقوف ہے یا اس میں قاضی کو دخیل ہونے کا بھی کچھ حق ہے۔

فقہاء کی آراء

اس سلسلے میں فقہاء کی آرا مختلف ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ اختیار مکمل طور پر مرد ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قاضی خود یا قاضی کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حکم بطورِ خود عورت کو طلاق نہیں دے سکتے۔ اس کے برخلاف امام مالکؒ کے نزدیک قاضی زوجین کے حد سے گزرے ہوئے باہمی اختلاف کی صورت میں ایک دو رکنی مصالحتی کمیٹی قائم کرے گا جس میں بہتر ہے کہ ایک مرد کا رشتہ دار ہو اور دوسرا عورت کا، دونوں سمجھدار اور شرعی احکام سے واقف ہوں، پھر وہ ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیں۔ اگر مصالحت اور اتفاق کی کوئی صورت نکل آئے تو دونوں میں مصالحت کرا دیں، اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے اور دونوں کی رائے ہو کہ باہم تفریق اور علیحدگی کرا دی جائے تو وہ یہ بھی کر سکتے ہیں، اس طرح کہ مرد کا رشتہ دار حکم طلاق دے دے اور عورت کا رشتہ دار حکم مہر معاف کرنے کا یا جو معاوضہ مناسب سمجھے عورت کو اس کی ادائیگی کا پابند کرے اور دونوں میں تفریق ہو جائے۔

احناف کے دلائل

احناف دراصل اس مسئلہ میں اس عام اصول پر چلے ہیں کہ طلاق کا اختیار مردوں کے ہاتھ میں ہے اور خلع بھی مال کے عوض میں طلاق ہی ہے، اس لئے مرد کی آمادگی بہرطور ضروری ہوگی۔ اس بنا پر ان کے یہاں حَکمین کی حیثیت زوجین کے وکیل کی ہوتی ہے اور وہ انہی حدود میں رہ کر اقدام کر سکتے ہیں جو زوجین نے متعین کر دی ہیں۔

دوسرے اُن کا استدلال اس واقعہ سے بھی ہے جسے ابوبکر جصاص رازی نے اپنی ''احکام القرآن'' میں اور دوسرے مختلف مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی مقدمہ میں حَکم متعین کئے۔ پھر ان حَکمین سے مخاطب ہو کر ان کی ذمہ داری بتائی کہ اگر ان دونوں کو جمع کر سکو تو جمع کر دو اور ان کا ازدواجی رشتہ برقرار رکھو اور اگر تفریق و علیحدگی مناسب محسوس ہو تو ایک دوسرے کو علیحدہ کر دو۔ عورت تو اس پر آمادہ ہوگئی مگر مرد نے علیحدگی پر اپنی عدم آمادگی کا اظہار کیا۔ حضرت علیؓ نے مرد پر دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جب تک تم اس عورت کی طرح فیصلہ کی ہر دو صورت پر آمادگی کا اظہار نہ کرو، یہاں سے ہٹ نہیں سکتے۔ (کَذَبتَ وَاللّٰہ لَا تَنفَلِت مِنِّی حَتّٰی تُقِرَّ کَمَا أَقَرَّتْ) تو اس سے استدلال یوں ہے کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرد کو تفریق کیلئے آمادہ ہونے پر مجبور کرنا بالکل بے معنی ہوگا، اگر حکم کو بطور خود طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو اور وہ مرد کی رضامندی حاصل کرنے کا مکلّف نہ ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ کے دلائل

امام مالکؒ اور جو فقہاء قاضی کی طرف سے مقرر کئے ہوں حَکمین کو تفریق اور علیحدگی کا مجاز گردانتے ہیں، ان کی دلیل سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود قرآن مجید کی طرف رجوع کریں۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیۡنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا﴾ ''اگر تم کو ان دونوں کے درمیان شدید اختلاف کا اندیشہ ہے تو ایک ایک حَکم مرد و عورت کے خاندان سے بھیجو۔ اگر وہ دونوں اصلاحِ حال چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ اللہ تمام باتوں سے باخبر اور واقف ہے۔''

اس آیت میں متعدد قرائن ایسے ہیں جو امام مالکؒ کے موقف کی تائید کرتے ہیں:

اوّل یہ کہ اس آیت کے مخاطب قضاۃ اور حکام ہیں۔ سعید بن جبیر، ضحاک، اکثر مفسرین اور خود ابوبکر

جصاص رازی کی یہی رائے ہے اور قرآن کے لب ولہجہ سے بھی اسی کی تاکید ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی اور حاکم کی حیثیت واعظ اور محض اخلاقی اپیل کرنے والے ناصح کی نہیں ہے بلکہ اس کا منصب یہ ہے کہ جو لوگ وعظ و نصیحت کی زبان سمجھنے پر آمادہ نہ ہوں، اُن کیلئے قانون اور اختیارات کی تلوار استعمال کی جائے۔ لہٰذا اگر قاضی کے مقرر کردہ حَکمین کو قانونی اختیار حاصل نہ ہو تو قرآن کا قاضی کو مخاطب بنانا اور قاضی ہی کی طرف سے حَکمین کی تقرری ایک بے معنی بات ہو جائے گی۔ اس لیے قضاۃ اور حکام سے خطاب بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس مسئلہ میں قاضی کے نمائندہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ چاہے تو مصالحت کرا دے یا اپنی صوابدید پر علیحدگی کر دے۔

دوسرے قاضی کے بھیجے ہوئے ان نمائندوں کیلئے قرآن نے حَکم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حَکم کے معنی خود حکم اور فیصلہ کرنے والے کے ہیں۔ اب اگر اس کی حیثیت محض طرفین کے وکیل کی ہو اور وہ ان کے احکام کا پابند ہو تو وہ حکم اور فیصل کہاں باقی رہا۔ اس تعبیر کا تقاضا بھی ہے کہ وہ تفریق اور مصالحت کے معاملہ میں خود مختار ہوں۔

تیسرے قرآن نے یہاں ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا﴾ کہا ہے: ''اگر حَکمین ان دونوں میں مصالحت کرانا چاہیں۔'' یہاں حکمین کی طرف ''ارادہ'' اور ''چاہنے'' کی نسبت کی گئی ہے اور ایسی بات اسی کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو کسی کام کے کرنے اور اس کے خلاف اقدام کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جو شخص کسی کا وکیل ہو وہ ارادہ واختیار کا مالک نہیں ہوتا، وہ تو بہر صورت خاص اسی حکم کا پابند ہوتا ہے۔

احادیثِ نبویہ

اب آیئے ان احادیث کی طرف جو اس مسئلہ میں قاضی کے مختار ہونے کو بتاتی ہیں: امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! مجھے ثابت بن قیسؓ کے دین و اخلاق سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن مجھے یہ بات بھی پسند نہیں ہے کہ مسلمان ہو کر کسی کی ناشکری کروں (أکرہ الکفر فی الاسلام) یعنی ایک طرف ثابتؓ کا میرے ساتھ اچھا سلوک ہے، دوسری طرف میرا اُن کی طرف طبعی رجحان نہیں ہے۔ جس کے باعث میری طرف سے ان کی ناقدری ہوتی ہے۔ اس لیے ہم دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس کو اس کا باغ لوٹا دو گی۔ اُنہوں نے کہا: ''ہاں..... اب آپؐ نے حضرت ثابتؓ

سے فرمایا کہ باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو (اقبل الحديقة و طلقها تطليقةً) اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ حضورؐ نے اُن کو حکم دیا لہٰذا اُنہوں نے بیوی کو علیحدہ کر دیا۔ (أمره ففارقها) امام بخاریؒ کی ایک اور روایت اور نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام جمیلہ بنت عبداللہ تھا۔ اس حدیث میں واقعہ کا یہ پہلو بہت قابل غور ہے کہ حضورؐ نے حضرت ثابتؓ سے اپیل نہیں کی نہ مشورہ کیا بلکہ دوٹوک لفظوں میں طلاق دینے کا حکم فرمایا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ قاضی مرد کی رضامندی اور آمادگی معلوم کرنے کا پابند نہ ہوگا بلکہ حسبِ ضرورت اس کو اپنی صوابدید پر نافذ کرے گا۔ اب اس کے نافذ کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود مرد اس بات کیلئے تیار ہو جائے اور طلاق دے دے جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا، یا پھر قاضی خود علیحدہ کر دے۔

آثارِ صحابہؓ

احادیث کے بعد صحابہؓ کے آثار اور معمول پر نظر ڈالیے: اس نوعیت کا ایک واقعہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں پیش آیا۔ ان کے زمانہ میں عقیلؓ بن ابی طالب اور فاطمہؓ بنتِ عتبہ (جو میاں بیوی تھے) کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ فاطمہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عباسؓ اور معاویہؓ کو بحیثیت حَکم بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: (أفرّقن بينهما) ''میں ضرور ان دونوں میں تفریق کر دوں گا۔'' اور معاویہؓ نے کہا کہ میں عبد مناف کے دو بزرگ خانوادوں میں تفریق نہیں کر سکتا (**ما كنت لا فرق بَينَ شَيْخَينِ مِنْ بَنِي عَبْدِ مَنَاف**) یہاں تک کہ ان دونوں نے باہم خود ہی مصالحت کر لی۔

یہاں بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بحیثیتِ حکم فرمانا کہ میں ان دونوں کے درمیان ضرور تفریق کر دوں گا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حَکم بحیثیتِ حَکم خود ہی تفریق کے معاملہ میں مختار ہوتا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں ہی حَکم کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔ اس سلسلہ کا دوسرا واقعہ وہی حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت کا واقعہ ہے جس کا مجمل ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ دارقطنی نے محمد بن سیرین کے واسطہ سے صحیح سند سے اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ ایک شوہر و بیوی اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے۔ حضرت علیؓ کے حکم سے شوہر و بیوی ہر ایک کے لوگوں میں سے ایک ایک حَکم منتخب کیے گئے۔ حضرت علیؓ نے اُن دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تم کو اپنی ذمہ داری معلوم ہے؟ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ مناسب سمجھو، تو دونوں میں علیحدگی کرا دو۔ عورت نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر راضی ہوں چاہے اس کا فیصلہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف.....!

شوہر نے کہا کہ جہاں تک علیحدگی کی بات ہے تو میں اس کیلئے تیار نہیں ہوں۔ ﴿أما الفرقة فلا﴾ حضرت علیؓ نے کہا: تم نے جھوٹ کہا، تم بھی جب تک اس عورت کی طرح اقرار نہ کرلو، یہاں سے جا نہیں سکتے۔ اس مقدمہ میں حضرت علیؓ کا حکمین سے کہنا کہ کیا تم اپنی ذمہ داری سے واقف ہو، تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اگر تم چاہو تو علیحدگی کرادو (هَل تَدرِيَانِ ما عَلَيكُمَا؟ عَلَيكُمَا اِنْ رَأَيتُمَا أَنْ تُفَرِّقَا فَرَّقْتُمَا)؟ اس بات کی علامت ہے کہ حکمین بحیثیتِ حَکم تفریق کا اختیار رکھتے ہیں اور وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ان کی حیثیت محض وکیل کی ہوتی تو سوال اس طرح ہوتا'' کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس بات کے وکیل بنائے گئے ہو؟ (هل تدريان ما و كّلتما) پھر یہ کہ خلع میں اگر ایک طرفہ مرد کی رضامندی ضروری ہوتی اور قاضی کو اس سلسلہ میں کوئی اختیار نہ ہوتا تو یہ بات بھی درست نہ ہوتی کہ حضرت علیؓ اس پر طلاق کی آمادگی کیلئے دباؤ ڈالیں، وہ زیادہ سے زیادہ سفارش اور اپیل ہی کر سکتے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر واقعہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام مالک کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے اور یہی رائے اکثر فقہاء: اوزاعی، اسحاق، شعبی، نخعی، طاؤس، ابوسلمہ، ابراہیم، مجاہد اور امام شافعی رحمہم اللہ کی ہے اور صحابہؓ میں بھی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے۔

احناف کے دلائل کا تجزیہ

احناف کے دلائل اس مسئلہ میں قابل غور ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ اصل یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے، تسلیم ہے مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور زوجین کی مصلحتوں کی رعایت کے پیش نظر قاضی بہت سی صورتوں میں تفریق کا مختار بن جاتا ہے۔ یہاں بھی زوجین کے بڑھتے ہوئے شدید اور ناقابل حل اختلاف کو پیش نظر رکھ کر جب قاضی کے نمائندے اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ ان دونوں میں تفریق اور علیحدگی ہو جانی چاہیے تو مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور دونوں کو اللہ تعالیٰ کی حدوں پر قائم رکھنے کیلئے ضروری ہوگا کہ یہ لگام مرد سے لے لی جائے اور قاضی کی طرف سے مقرر شدہ حَکم از خود تفریق کر دیں۔

احناف کا یہ استدلال کہ حضرت علیؓ نے شوہر کو اس کا اقرار کرنے پر مجبور کیوں کیا کہ وہ بھی حکم کے فیصلہ کے مطابق مصالحت اور علیحدگی ہر دو صورت پر آمادہ ہو۔ کیونکہ اگر حَکم کو اس کا اختیار ہوگا تو شوہر کا اقرار کرنا اور انکار کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بھی دوٹوک نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور ان کے ہم خیال حضرات کے نزدیک حضرت علیؓ کے اس حکم کی حیثیت وہی تھی جو نامرد کو طلاق کا حکم دینے کے سلسلے میں ہے۔

یعنی اگر شوہر نامرد ہو اور عورت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس سے علیحدگی کی حقدار ہے تو قاضی پہلے خود شوہر سے کہے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے دے، مرد اگر اس پر آمادہ ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ خود قاضی اس کی طرف سے عورت کو طلاق دے دے گا۔ حضرت علیؓ کا مطالبہ یہاں اسی نوعیت کا تھا کہ اگر شوہر خود طلاق دے دے تو بہتر ہے ورنہ پھر قاضی کے نمائندے حَکمین خود اس ناخوشگوار فریضہ کو انجام دیں گے۔ ہمارے زمانے میں جہالت اور احکامِ شرع سے بے خبری اور اس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں ظلم و زیادتی اور اختلافات کی روشنی میں اگر اس مسئلہ میں فقہائے مالکیہ کی رائے قبول کر لی جائے تو شاید مناسب ہو۔ یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئی ہیں کہ علمائے کرام اور اربابِ افتاء اس جزئیہ پر نظرِ ثانی کریں۔ واللہ ھو المستعان و علیہ التکلان۔

ان امور کے علاوہ ہمارے فلاسفہ اسلام نے خلع کی جو روح اور حکمت بتائی ہے وہ بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے جو امام مالکؒ کا مسلک ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: ''خلع عورت کے اختیار میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے۔ چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شریعت نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔'' [جدید فقہی مسائل: حصہ دوم، ص ۹۷ تا ۱۰۷]

مسلک اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل سات اشتہارات کا مکمل سیٹ منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے مسلک اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل فور کلر رنگین خوبصورت مدلل سات اشتہارات کا درج ذیل مکمل سیٹ زیر تقسیم ہے۔

① کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ (ایک سوال کی 10 شکلیں) ② نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت ③ اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام ④ نماز روزہ کے محمدی دائمی اوقات ⑤ اثباتِ رفع الیدین ⑥ سورۂ فاتحہ خلف الامام ⑦ آمین بالجہر کا ثبوت

ملک کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات اور دینی اداروں کے سربراہان مذکورہ بالا مکمل سیٹ منگوائیں اور فریم کروا کر اپنے اپنے زیر اہتمام مساجد و مراکز میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔ مسائل حقہ کی ترویج کا یہ بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ (رابطہ بذریعہ فون صبح 8 بجے سے 10 بجے تک)

نوٹ: فریم کروا کر آویزاں کرنے کا وعدہ آنا ضروری ہے۔ اس صورت میں ڈاک خرچ بھی ادارہ کی طرف سے برداشت کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

محمد یٰسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ضلع راجن پور پنجاب پاکستان 0333-8556473